"طنز و مزاح"

عبدالودود شعیب

"دی پرنس آف ویلز"

"THEPRINCEOFWALES"

خدا نظر بد سے بچائے! ہمارے ایک جواں سال "صاحب" خدا کی مرضی سے اتنے دبلے پتلے ہو گئے ہیں کہ ہماری یونیورسٹی کے لوگ انہیں جیسے ہی دیکھتے ہیں لفظ "صمت" کا جابجا استعمال ہونے لگتا ہے۔ زہے نصیب! اب تو وہ "صمت" کے قلمی نام سے شہرہ ور ہو گئے ہیں۔ شاگرد اور دوست احباب نے تو اب یہ روش اپنالی ہے کہ جیسے ہی صاحب کی آمد کی خبر گرم ہوتی ہے دوستِ راستہ بنانے کی غرض سے ایک دوجے کو دور دور ہٹا دیتے ہیں..... دور دور ہٹ جاؤ..... راستہ صاف کرو..... "صمت" آرہی ہے۔

لباس کے طور پر صاحب جو پینٹ سالانہ استعمال کیا کرتے ہیں بد قسمتی سے اب وہ کسی بھی زاویے سے پتلون نظر نہیں آتی۔ ہم نے بہت سے اہل نظر لوگوں کو پتلون دیکھنے کے بعد سوچ میں ڈوبا دیکھا ہے۔ کہ یہ پیشانی جیسے بل پتلون پر کہاں آ گئے اور پھر ہر تیور پر میل نئی سج دھج کے ساتھ۔

سائنس کے طلباء و طالبات اب تو یہ سمجھنے لگے ہیں کہ صاحب نے اپنی گئے جیسی ٹانگوں کو موٹا کرنے کیلئے ملمع سازی سے کام لیا ہو گا۔ دیگر طلباء تو یہ سوچتے ہی تھے کہ صاحب نے نہ جانے کیا سمجھ کر اپنی پتنگے جیسی ٹانگیں اس دھاتی سانچے میں ڈال دی ہیں۔ ادھر لڑکیاں بھی صاحب کے جلوہ افروز ہونے پر نہ صرف کھلکھلاتی ہیں۔ بلکہ سرگوشیاں بھی کرنے لگتیں ہیں کہ صاحب حسب معمول اپنی ٹانگوں کو جس ٹرپال میں لپیٹ کر لاتے ہیں انکے گھروں میں کام کرنے والی "ماسیاں" بھی کچھ اسی قسم کے کپڑوں سے فرش چمکایا کرتی ہیں۔ یونیورسٹی کے باورچی بابا احمد علی بھی اکثر "صاحب" کے شاگردوں کو فریہ انداز میں باور کرتا ہے کہ اسکے سبزی لانے والے تھیلے اور انکے "صاحب" کی پتلون ایک ہی کمپنی کی پیداوار ہے۔ باورچی کا اکثر یہ جی چاہتا ہے کہ بقیہ شکوک و شبہات جو کہ صاحب کی پتلون اور تھیلے میں باقی ہیں صاحب کی ٹانگوں پر چٹکی بھر کر ختم کر لئے جائیں۔ مگر انگلیوں کے پورے زخمی ہونے کے خوف سے بابا احمد علی ایسی حرکت سے گریز کیا کرتے ہیں۔

حسن اتفاق دیکھئے! میاں لوہار اپنے چار پانچ "چھوٹوں" کے ہمراہ یونیورسٹی میں وارد ہوئے۔ "صاحب" کو اپنے جیسے لباس میں ملبوس پا کر چہروں پر فاتحانہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہنے لگے کہ اب یہ یونیورسٹیوں

کے صاحب بھی ہم لوہاروں کی نقل کرنے لگے ہیں۔

درحقیقت "صاحب" نے اپنا وزن طب کے اصول و ضوابط کی رو سے قد کی نسبت سات کلو گرام کم کر لیا ہے۔ اس سات کلو گرام کمی میں کم و بیش ایک پاؤ حصہ دماغی بھی ہے۔ یہ مرض "صاحب" کو رات دن انگریزی ادب میں غرق رہنے کے سبب لاحق ہوا ہے۔ اس لئے جب چلتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کیچڑ میں چل رہے ہیں۔ پتلون تو پہلے ہی ٹیڈی ہو چکی ہوتی ہے۔ "مچھرانہ" چال جب ختم کر کے صاحب بیٹھتے ہیں تو دور سے کسی جھینگے کا آرام کرنا دکھائی دیتا ہے۔ کتے سے روحانی عشق اور "ڈیئرڈنکی" سے جسمانی ہمدردی بھی مذکورہ بالا سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

تو جناب! احوالِ پتلون کچھ یوں بھی ہیں کہ "صاحب" سال کی پہلی تاریخ کو سال بھر کیلئے زرہ نما پتلون خریدنے کی زحمت کرتے ہیں۔ اور پھر بارہ مہینوں کے چوبیس گھنٹے اسی پتلون میں ملبوس رہتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اسے میلا کرنے لگتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ پتلون کی بیرونی سطح پر حسین و جمیل مناظر آویزاں ہونے لگتے ہیں۔ کبھی رگڑ رگڑ کر ہاتھ صاف کر لئے جاتے ہیں اگرچہ یہ بھی ان کی ذرہ نوازی ہے کہ صرف ہاتھ ہی صاف کرتے ہیں۔ تو کبھی نئی بال پنسل کو رواں کرنے کیلئے پتلون پر رگڑ لیا جاتا ہے۔ جس سے پنسل تو بہت جلد رواں ہو جاتی ہے مگر پتلون پر بہت سی بطخیں اور بگلے بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آخر کار جو صورت حال پیش آتی ہے۔ وہ یہ کہ

جگہ جگہ جو یہ کیڑوں کی ضرب کاری ہے
نئی طرح کی یہ صنعت ہے دستکاری ہے

"صاحب" فٹبال کھیلنے کا بھی شوق فرما لیا کرتے ہیں مگر اسی پتلون میں۔ گول کیپر بننے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ اس لئے دوست احباب آپ کو اکثر "گولاں والی سرکار" بھی کہہ لیا کرتے ہیں۔ حال ہی میں دورانِ کھیل کی مخالف ستم ظریف نے جان بوجھ کر کمر سے ملحقہ خستہ مقام سے کھینچا تو ایک بڑا سوراخ ہو گیا۔ "صاحب" نے یہ سوچا کہ سال میں چند ماہ ابھی باقی ہیں اس لئے درویش ادب مست نے ٹاٹ باقی کر کے پیوند کو شرف قبولیت بخشا ہے۔

"صاحب" کی رات سورج کی پہلی کرن سے شروع ہوتی ہے۔ اور والدہ محترمہ کے راست اقدام تک جاری رہتی ہے۔ رات بھر NAKED اور NUDE کے اصطلاحی اور لغوی معانی اور دیگر تشریح طلب الفاظ کو دلائل سے ثابت کرنے بلکہ چبا جانے کے لئے سرگرداں رہتے ہیں۔ یوں جسمانی ہڈیاں سلائی کو ادھیڑ کر اور کپڑے کو باریک کر کے باہر نکلنے کے لئے کوشاں رہتی ہیں۔ آخر کار سال چھ ماہ کی کوششوں کے بعد بعض بوسیدہ مقامات سے باہر جھانکنے میں کامیاب ہو ہی جاتی ہیں۔ یوں "صاحب" اپنے قبیل کے لوگوں میں مقابلہ حسن و بوسیدگی پتلون باآسانی جیت سکتے ہیں۔

اپنے تئیں تو "صاحب" سال میں ایک پتلون استعمال کر کے لوگوں کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں کہ لمبے جناب فلاسفر آرہا ہے۔ مگر..... یہ لوگ مرعوب کہاں ہوتے ہیں صاحب..... الٹا کہتے پھرتے ہیں۔

"سو ہے یہ بھی آدمی"

"صاحب" مزدوروں اور ناداروں کے بھی بڑے ہمدرد ہیں۔ لائبریریوں میں بیٹھ کر کئی کئی گھنٹے مفلسوں کا درد بانٹنے کی تراکیب پیش کرتے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ "صاحب" اپنی پتلون ایک سال سے پہلے کسی بھی نادار کو عطا نہیں کرتے۔ خدانخواستہ یہ نادار جسے پتلون دی جائے کسی کالج وغیرہ میں بھیک مانگنے کی غرض سے چلا جائے تو ہو سکتا ہے کہ صاحب کے چاہنے والے مفلس و نادار کو چور سمجھ کر پتلون سے محروم ہی نہ کر دیں۔ "صاحب" کو تین سو پینسٹھ دن تک ایک ہی پتلون استعمال کرنے کی علت زمانہ طالبعلمی میں پڑی تھی۔ وہ جب کلاس میں آکر بیٹھا کرتے تھے تو قریب بیٹھے ہوئے ہم جماعت ناک پر کپڑا رکھ کر دور ہو جایا کرتے تھے۔ دوران طالبعلمی "صاحب" کئی دوستوں سے دست بقضیہ بھی ہو چکے تھے۔ کئی ہم جماعت ساتھیوں نے محکمہ ماحولیات والوں سے نوٹس جاری کروانے کی کوشش بھی کی۔

"جناب صاحب"! ماحول کو آلودہ نہ کریں۔ ورنہ پتلون سمیت کسی دھوبی گھاٹ میں پھینک دیئے جائیں گے۔"

ہم جماعت یہ بھی کوشش کرتے رہے کہ یہ پتلون محکمہ صحت والوں کی نظر سے بھی گزر جائے تاکہ وہ بھی نوٹس جاری کر سکیں۔

"جناب صاحب"! سالانہ پتلون کا استعمال بند کریں۔ بصورت دیگر قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔ اس پتلون سے ایڈز اور دیگر مہلک بیماریوں کے سوتے پھوٹتے ہیں۔"

"صاحب" کی والدہ محترمہ جو کہ ایک نیک سیرت خاتون ہیں پڑوسیوں کی بارہا شکایت سے تنگ آ چکی ہیں۔ پڑوسیوں نے احتجاجاً یہ باور کیا ہے کہ آپکے "فرزند گند" کی پتلون سے آنے والے معطر جھونکوں سے انکے نومولود کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ پڑوسیوں نے صاحب کی والدہ محترمہ سے ہمدردانہ گزارش بھی کی ہے کہ وہ اگر بیٹے کی پتلون صاف رکھنے میں ناکام ہو چکی ہیں تو ہم پڑوسی کل ہی اپنا جمعدار مع تیزاب پتلون کی صفائی کیلئے بھیج دیتے ہیں۔

والدہ محترمہ کو جب سے یہ تہنیتی پیغامات موصول ہوئے ہیں تو محترمہ سانس بند کئے..... موقع پا کر ..... پتلون کو رات کی تاریکی میں باہر گلی میں پھینک آتی ہیں۔ واپس آکر صابن سے ہاتھ بھی خوب دھویا کرتی ہیں۔ مگر صاحب ہیں کہ پتلون واپس اٹھا لاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب صرف برگر ہی نہیں جھڑکیں بھی کھاتے ہیں۔

محلے داروں نے اس پتلون کی نسل کشی کے متعلق بہت غور کیا ہے۔ بعض حضرات تو "صاحب" کو

علی الاعلان منع فرما چکے ہیں کہ وہ اس پتلون میں انکے ہاں قدم رنجہ نہ فرمایا کریں۔ ورنہ.....

بندش گڑ کے خوف سے یہ ترکیب بھی محلے داروں کی سمجھ میں آئی ہے کہ کہیں انسانی آبادی سے دور گھرا گڑھا کھود کر پتلون کو تادم حشر دفنا دیا جائے۔ ادھر وہ نیک سیرت خاتون لوگوں سے دریافت فرماتی پھرتی ہیں کہ میرے "صاحب" بھلا کونسا علم پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ کبھی وہ کہتی ہیں "صاحب" سے تو چھوارے فروش پٹھان ہی اچھے..... کم از کم انکے لباس پر دیہک کے آثار تو نہیں ملتے۔

والدہ کا دوسرا دکھ یہ کہ "صاحب" پتلون کو اتنا ذلیل بلکہ خوار کر دیتے ہیں کہ گھریلو استعمال کے تھیلے تو در کنا۔ فرش صاف کرنے والی "ٹاکی" بھی نہیں بنائی جا سکتی۔

ایک روز یہ من موجی "صاحب" نہایت ہی "پٹواریانہ" لہجے میں والدہ محترمہ سے کہنے لگے۔

"ہیلو مام..... میرج..... میرج..... میرج

والدہ نے جواب صادر فرمایا! لباس عروسی کے طور پر اگر یہی پتلون ہی استعمال کرنی ہے تو پہلے ہی بتا دیجئے۔ تا کہ بارآتیوں کے واپس بھاگنے کیلئے کوئی مناسب بندوبست کر دیا جائے۔

چہرہ مبارک صبح ایک بجے تک نہ دھونے کی شکایت جب سامنے آئی تو والدہ محترمہ کا کہنا یہ ہے۔ "صاحب" دھونے دھلانے اور استری جیسی سست چیزوں سے نہ صرف نفرت کرتے ہیں بلکہ ان اشیاء سے وسیع نظریاتی فاصلے بھی رکھتے ہیں۔ حالانکہ محلے کے بھلے مانس لوگوں نے تو دھوبی رکھنے کی کھلی پیش کش کی ہے۔ لوگ ڈرائیور، چوکیدار وغیرہ رکھتے ہیں۔ "صاحب" بھی ایک دھوبی رکھ لیں۔ جبکہ عزیز و اقارب اس سوچ اور فکر سے گھلے جا رہے ہیں کہ "صاحب" کی یہی عادت خوش پوشی تادم مرگ قائم رہی۔ اور "صاحب" کی آخری وصیت کے مطابق اگر پتلون کا ساتھ ضروری ہوا ہو تو مسٹر اند سے فرشتوں کا کیا بنے گا۔ ادھر چچا غالب بھی ایسے "صاحبوں" سے شاید تعلقات رکھتے تھے۔ وہ جو لکھتے ہیں۔

ڈھانپے کفن نے داغ عیوب برہنگی
ورنہ میں ہر لباس میں ننگ وجود تھا

بقیہ از صـ۵۳

احباب کو جزاء خیر عطاء فرمائے جنہوں نے انفرادی یا اجتماعی طور پر اس دینی اجتماع میں شرکت کر کے اسے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ (آمین)

کانفرنس کے انتظامات ہر اعتبار سے نہایت عالیشان تھے۔ مسجد احرار ربوہ کے نگران و خطیب ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ، مولانا محمد مغیرہ، جناب ملک رب نواز ایڈووکیٹ اور ربوہ کے احرار کارکن خاص طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے اجتماع کے انتظامات نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے۔